جناب خسروی صاحب۔ کراچی

مراۃ الانساب
کا
ایک نادر قلمی نسخہ

ہمارے گمشدہ خزانے

محمد عبدالواجد علی خان، خلیفۂ مجاز حضرت ضیاء معصوم نقشبندی مجددی، رئیس بڈھانی (ضلع بلند شہر۔ یوپی) جاگیردار ٹھکانہ جگر (نظامت پنڈون، ریاست جے پور) جب بار بار کے مسلسل اصرار کے بعد آخر کار ریاست جے پور کی سپریم جوڈیشنل کونسل کی ممبری سے سبکدوشی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے تو تیسری بار حج کے سفر کی عزیمت کر لی۔ کیونکہ کچھ عرصہ قبل ہی یکم ستمبر ۱۹۰۸ء کو حجاز ریلوے کا افتتاح ہو چکا تھا اس لیے ارادہ یہ ہو گیا کہ اس بار مدینۂ منورہ میں حاضری اور سعادتِ حج حاصل کرنے سے پہلے عراق و شام وغیرہ میں مقاماتِ مقدسہ کی زیارت سے بھی مشرف ہوا جائے۔ چنانچہ ایامِ حج سے گیارہ ماہ قبل ہی، ۷ر محرم ۱۳۲۷ھ (۳۰ر جنوری ۱۹۰۹ء) کو اپنے بہت سے متعلقین و متوسلین و احباب کو (اپنے خرچ پر) ساتھ لے کر جے پور سے نکل کھڑے ہوئے اور بمبئی سے جرمن جہاز "بلڈ دینیا" پر سوار ہو کر عدن، پورٹ سعید اور یافا ہوتے ہوئے ۲ر اپریل ۱۹۰۹ء (۱۱ر ربیع الاول ۱۳۲۷ھ) کو بیت المقدس پہنچ گئے۔ جہاں ان دنوں باوجود شدید سردی کے بڑا اجتماع تھا، کیونکہ وہی زمانہ عیسائیوں کے مذہبی اجتماع کا بھی تھا اور یہودی بھی حضرت موسےٰ علیہ السلام کا جشنِ ولادت منانے کے لیے ہر طرف سے آئے ہوئے تھے۔

۳۰ر اپریل ۱۹۰۹ء تک اُس علاقہ میں رہ کر انبیائے کرام، حضرت نوحؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت موسےٰؑ، حضرت عزیزؑ، حضرت یونسؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت مریمؑ (حضرت راحلہ والدہ حضرت یوسفؑ) اور حضرت یعقوبؑ کی والدہ ماجدہ اور اصحاب رسول اللہؐ، حضرت ابو عبداللہؓ، حضرت عکاشہؓ، حضرت سلمان فارسیؓ اور اولیائے کبار حضرت ابراہیمؒ بن ادھم و حضرت شبلیؒ کے مزارات مقدسہ اور کوہِ طور سینا اور قید خانۂ حضرت عیسےٰؑ کی زیارت کی۔ اس کے بعد خلیل الرحمان سے تقریباً دو کوس پر حضرت لوطؑ کے مزار اور پھر دیگر زیارتوں کا ارادہ تھا کہ رات دس بجے سلطان عبدالحمید کی معزولی اور سلطان محمد رشاد خامس کی سربراہی کا اعلان ہوا۔ لہٰذا اس اندیشہ کی بناء پر کہ نہ جانے اس انقلاب سے کیا بدامنی پیدا ہو جس کے نتیجے میں راستے مخدوش ہو جائیں یا حجاز ریلوے بند ہو جائے، مزید زیارتوں کا ارادہ ملتوی کر دیا اور یکم مئی ۱۹۰۹ء کو نابلس بلیان کے اسٹیشن سے ریل میں سوار ہو کر دمشق پہنچ گئے جہاں دیگر انبیاء کرام حضرت ذوالکفلؑ و یحییٰؑ اور صحابۂ عظام حضرت بلالؓ، عبداللہ بن کلثومؓ، جعفر طیارؓ، ابوہریرہؓ، معاویہؓ، مساعدؓ اور ہریمؓ اور امہات المومنین حضرت ام حبیبہؓ و ام سلمہؓ اور افرادِ

ذریات رسول اللہؐ، حضرت سکینہ بنت حسینؓ، حضرت زینب بنت علیؓ اور عبداللہ بن زین العابدینؒ اور اولیائے کبار، حضرت بہلول دانا، شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ، خالد کردی، عبدالغنی نابلسیؒ و اسماعیل کردی اور سر مبارک حضرت حسین بن علیؓ کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ دمشق سے روانہ ہوکر ۱۷ مئی ۱۹۰۹ء کو مدینہ منورہ پہنچے، جہاں ۲۳ شوال ۱۳۲۷ھ تک قیام کرکے مکہ مکرمہ تک آئے، جہاں تیسری بار حج کی سعادت حاصل کرکے ہندوستان کے سفر پر روانہ ہوگئے، ۱۷ اپریل ۱۹۱۰ء کو سوا چودہ مہینے بعد جے پور واپس پہنچ گئے۔

مدینہ منورہ کے دوران قیام میں ان کی ملاقات حسن اتفاق سے حاجی محمد اسماعیل بخاری خوش نویس سے ہوئی جو وہاں کتب خانہ سلطانی میں شعبۂ مخطوطات کے انچارج تھے۔ کتب خانہ میں ایک مستند و مکمل شجرہ حضرت آدمؑ سے سرکار دو عالمؐ تک کا موجود تھا، جس کی نقل بخاری صاحب نے اپنے لیے کر رکھی تھی اس کا ذکر انہوں نے واجد علی خان سے کیا تو مؤخر الذکر نے کمال اشتیاق ظاہر کرکے اس کی ایک نقل جلد از جلد عطا کرنے کی بہ اصرار درخواست کی، کیونکہ روانگی میں تھوڑے ہی دن رہ گئے تھے۔ بخاری صاحب نے شب و روز محنت کرکے صرف تین دن میں اس کی ایک انتہائی خوشخط نقل بہتر فٹ طویل کاغذ پر کرکے اور اس کا مقابلہ کتب خانہ کے اصل شجرہ سے کرکے واجد علی خان کے حوالہ کر دی۔ جو اسے جے پور لے آئے، جہاں آکر انہیں خیال ہوا کہ اس شجرہ نبیؐ کے ساتھ دیگر انبیائے کرام و اصحاب نبویؐ و اولیائے کبار و علمائے عظام اور ہندوستان و دیگر قریبی ممالک کے مقتدر مسلمانوں کے سلاسل انساب بھی اس میں شامل کئے جائیں اور آخر میں بطور ضمیمہ خود اپنے (لال خانی راجپوت) خاندان کا شجرہ بھی لکھ دیا جائے۔ چنانچہ اس مہم پر مولوی سید عبدالقادر ٹونکی اور مولوی حاجی ضیاء الدین احمد امروہی کو اپنا مستقل مہمان رکھ کر مامور کر دیا۔

حسن اتفاق سے اسی زمانہ میں بخاری صاحب مذکور بھی مدینہ منورہ سے ہندوستان کی طرف سیاحت کو تشریف لائے اور جے پور میں کافی طویل عرصہ واجد علی خان کے مہمان رہے، جن سے اس سلسلہ میں کافی مدد ملی، کیونکہ ان کی یادداشت بہت قوی تھی اور ان کے ذہن میں بہت سے مشہور سلاسل جو مدینہ منورہ کے شاہی کتب خانہ میں تھے تقریباً محفوظ تھے۔ مولوی سید عبدالقادر ٹونکی تو کچھ عرصہ کے بعد ملازم ہوکر بنگال روانہ ہوگئے اور بخاری صاحب بھی واپس مدینہ منورہ چلے گئے، لہٰذا انتہا مولوی حاجی ضیاء الدین احمد امروہی نے رات دن کی جانفشانی اور دقت نظر سے مطلوبہ تمام سلاسل کو تاریخ و احادیث و سیر کی مذکورہ ذیل بہتر (۷۲) کتابوں سے تحقیق و تدقیق کرکے ۳۰ اپریل ۱۹۱۷ء کو (تقریباً سات سال کی محنت کے بعد) مکمل کر لیا اور اس مجموعۂ سلاسل کا نام "مراۃ الانساب" رکھا گیا۔ اس میں مجموعی طور پر چار ہزار پچپن (۴۰۵۵) سلاسل ہیں، جن میں سے اٹھاون (۵۸) انبیائے کرام کے، چھیانوے (۹۶) خلفائے راشدین و صحابۂ کرام کے، ستاون (۵۷) امہات المومنینؓ و صحابیات کبریٰ کے، ایک سو ستر (۱۷۰) مشاہیر بزرگان دین اولیاء و علماء کے اور باقی تین ہزار چھ سو چوہتر (۳۶۷۴) ہندوستان و ایران و افغانستان و ترکی اور بلاد عرب کے دیگر معروف و مشہور دنیاوی یا دینی وجاہت رکھنے والا

ماذانوں اور خان دانوں کے ہیں ۔ اس کی تدوین و تصدیق کے لیے جن بہتر (۷۲) مآخذ سے استفادہ کیا گیا
اُن کے نام یہ ہیں :۔

(۱) صحیح بخاری (۲) تفسیر کبیر (۳) تفسیر ابن السعود (۴) مواہب لدنیہ (۵) تفسیر قادری (۶) سیرۃ الحلبی (۷)
ریخ الخلفاء (۸) اصابہ فی تمییز الصحابہ (۹) مکتوبات امام ربانی (۱۰) تاریخ کامل ابن کثیر (۱۱) تاریخ ابن خلدون (۱۲)
رج الذہب (۱۳) معاون الجواہر (۱۴) سبائک الذہب (۱۵) روضۃ الاحباب (۱۶) روضۃ الاصفیا (۱۷) خصائل الکبریٰ
۱۸) نشر الطیب (۱۹) سیر الحبیب (۲۰) سرور المحزون (۲۱) انوار الاذکیا (۲۲) تاریخ عالم (۲۳) نفحات الانس (۲۴)
باب المریدین (۲۵) جواہر فریدی (۲۶) فلاح (۲۷) ابن خلکان (۲۸) ترجمہ ابن خلدون (۲۹) تاریخ اسلام (۳۰)
رۃ العیون شرح سرور المحزون (۳۱) ناسخ التواریخ (۳۲) سخنۃ التواریخ (۳۳) تاریخ افغانستان (۳۴) امیر نامہ (۳۵)
تاریخ بھوپال (۳۶) صولت افغانی (۳۷) اکبر نامہ (۳۸) آئین اکبری (۳۹) حدائق الحنفیہ (۴۰) نسب نامہ انصاریان۔
۴۱) تاریخ روم (۴۲) احوال علمائے فرنگی محل (۴۳) عمدۃ الطالب (۴۴) طبقات ناصری (۴۵) سیر النبیؐ (۴۶) شجر العالم ۔
۴۷) عرائس القصص (۴۸) سر الشہادتین (۴۹) جوامع الحکایات (۵۱) بحر الانساب (۵۲) کنز الانساب (۵۳)
خلاصۃ التواریخ قلمی (۵۴) شجرہ قلمی، مدینہ منورہ جو اس کتاب کی وجہ تالیف ہے (۵۵) فصولِ مسعودیہ (۵۶) مقاماتِ سعدیہ
۵۷) ترغیب الترہیب (۵۸) مشکوٰۃ المصابیح (۵۹) سید الاقطاب (۶۰) تیسیر شرح جامع صغیر (۶۱) معارج الولایت
۶۲) منتخب التواریخ (۶۳) مراۃ المدارک (۶۴) سید المشائخ (۶۵) تاریخ دکن (۶۶) امراریہ (۶۷) مقاصد العارفین۔
۶۸) اشرف نامہ (۶۹) تاریخ بلند شہر (۷۰) مرقع قبعق (۷۱) تاریخ راجستھان از ٹاڈ (۷۲) تاریخ برن ۔

اس کتاب کی تدوین و تحریر کے لیے واجد علی خان نے ۷ اپریل ۱۹۱۰ء سے ۳۰ اپریل ۱۹۱۷ء تک مولوی ضیاء الدین احمد امروہوی کو وقتاً فوقتاً مہینوں اپنا مہمان رکھ کر ان کے جملہ مصارف بھی برداشت کیے اور انہیں تحقیق و تدقیق کے سلسلہ میں ہندوستان بھر کے مختلف کتب خانوں میں جہاں جہاں جانا پڑا اُس کے اخراجات بھی ۔ جو ماہانہ رقم سات سال تک بطور حق المحنت دیتے رہے وہ الگ ہے ۔ تکمیلِ تحریر کے بعد اس کی کتاب کے لیے جے پور کے بہترین و گراں ترین خوش نویس خطاط محمد عبد الرحیم (سابق پروفیسر اسلامی یونیورسٹی بہاول پور و حال مجلسِ دعوتِ تحقیق اسلامی، کراچی سے منسلک مولوی صاحب عبد الرشید نعمانی کے والد گرامی مرحوم) کی خدمات حاصل کی گئیں اور اُن ہی کے "مطبع رحیمی" واقع ترپولیہ بازار، جے پور میں ایک سو اٹھاسی (۱۸۸) صفحات میں جہازی سائز دبیز حنائی اور گلابی کاغذ پر طبع کرائی ۔ مولوی معین الدین اجمیری نے اپنی کتاب "حیوٰۃ طیبہ" (جو واجد علیخان کا تذکرہ ہے) میں تحریر کیا ہے کہ "مراۃ الانساب" کی طباعت پر تقریباً دو ہزار روپے صرف ہوئے ۔ طباعت کے بعد اس کے تمام نسخے واجد علی خان نے مولوی ضیاء الدین احمد کو اس شرط پر فروخت کے لیے دے دیئے کہ جو نفع ہو خود رکھیں اور اصل لاگت واپس کر دیں ۔ احباب و اعزا و ہندوستان کے مختلف

شہروں کے کُتب خانوں کو تحفتہً دینے کے لیے جو نسخے درکار تھے وہ مولوی صاحب سے اُسی قیمت پر خرید لیے جس پر وہ دوسروں کو فروخت کرتے تھے۔ اس مجموعۂ سلاسل میں ہر نام ایک علیحدہ قسم کے دائرے میں تحریر ہے، جو بہ اعتبار موسوم کی حیثیت و وجاہت دینی یا دنیاوی تیرہ (۱۳) مختلف اقلیدسی اشکال کے ہیں، جو اللہ بخش نقاش کی فنکارانہ حسن کے مظاہر ہیں۔ اس کی طباعت بہ اہتمام حافظ عبدالکریم و سید شمس الدین مذکورۂ بالا مطبع رحیمی میں ہوئی۔

اب اس کتاب کے اس گمشدہ نادر قلمی نسخہ کا ذکر کرنا مقصود ہے جو اس تحریر کا محرک ہے اور جسے واجد علی خاں نے خود اپنے لیے تیار کرایا تھا، اُس کا ہر ورق انتہائی دبیز و سفید براق، دونوں رُخ سے مُقفّیٰ (گلیزڈ) امپورٹڈ آرٹ پیپر کی ۳۰ × ۲۰ سائز کی پُوری شیٹ کا تھا۔ مولوی عبدالرحیم خطّاط اور اللہ بخش نقاش نے اس پر اپنا اپنا پُورا فن صرف کر دیا تھا۔ پُورے سر ورق کے علاوہ ہر ورق کے چاروں طرف ایک ایک انچ عریض حاشیہ میں مختلف موٹے اور باریک قلموں سے حسین طلائی و نقرئی و لاجوردی گلکاری کی گئی تھی۔ اس نسخہ کے لیے محمد معین الدین مراد آبادی (انجینئر) کے ذریعہ سے بلاد اسلامیہ کے تمام ممالک میں واقع مقدس زیارت گاہوں اور تاریخی عمارات و مقامات کے فوٹو اور نقشہ جات بھی حاصل کر کے شامل کر لیے تھے، جن پر ہر تاریخی مقام کا نام اور وجہ شہرت و اہمیت بہت ہی خوشخط لکھوائی گئی تھی۔ تیار ہونے پر اس کا وزن معہ صندوق تقریباً ۲۰ سیر تھا۔ اس کی جلد اعلےٰ ترین ولایتی چمڑے کی بنوائی گئی جس پر کتاب کا نام وغیرہ اور نظر فریب گلکاری طلائی و نقرئی پختہ روشنائی سے کرائی گئی اور اس کے لیے خالص صندل سُرخ کا ایک چوبی صندوق تیار کرایا گیا جس کے پیندے کی موٹائی دو انچ، ڈھکنے کی ڈیڑھ انچ اور چاروں دیواروں کی ایک انچ تھی، ڈھکن اور چاروں دیواروں کے بیرونی رُخ پر انتہائی باریک کھدائی سے بیل بوٹے بنوا کر خالص ہاتھی دانت کی پچی کاری کرائی گئی۔ اوپر نیچے آٹھوں کونوں پر جوڑوں کی مضبوطی کے لیے پیتل کی موٹی چادر کی تکونی "کہنیاں" لگائی گئیں اور اُن پر بھی باریک کھدائی سے گلکاری کی گئی۔ (جے پور ہمیشہ سے پیتل، تانبہ اور چاندی پر کھدائی کے لیے مشہور ہے اور اس کے کاریگر پہلے تو سب کے سب ہی لیکن اب بھی اکثریت مسلمان ہیں) نیچے ڈیڑھ ڈیڑھ انچ اونچے مضبوط اور منقش خم دار پیتل کے پائے لگائے گئے۔ بند کرنے کے لیے پیتل کے دو چوڑے چوڑے منقش "چھپکے" لگائے گئے، جب کہ پیچھے چار چوڑے چوڑے موٹی آہنی چادر کے قبضے لگائے گئے۔

اُس سستے زمانے میں اس صندوق کی تیاری پر تقریباً پانچ سو روپیہ صندل کی لکڑی، ہاتھی دانت اور پیتل کے سامان کی قیمتوں اور لکڑی و پیتل کی کھدائی اور ہاتھی دانت کی پچی کاری کی اُجرت پر لاگت آئی۔ پھر اس صندوق کے پیندے میں خالص کافور کی آدھی انچ موٹی تہہ کپڑے کی تھیلی میں بھر کر بچھائی گئی تاکہ کتاب کیڑوں سے محفوظ رہے۔ ہر دوسرے تیسرے مہینے نکال کر اُسے دُھوپ اور ہَوا لگائی جاتی۔ جب کوئی نیا ملاقاتی آتا تو اسے بڑے فخر و مسرت سے دکھاتے تھے اور بہت عزیز رکھتے تھے۔

وہ نادر قلمی نسخہ ۱۱ر جون ۱۹۲۲ء (۱۴ر شوال ۱۳۴۰ھ) کو ان کی بعمر بہتر (۷۲) سال (ولادت ۳۱ر مئی ۱۸۴۹ء ۲۶ رجادی الاخریٰ ۱۲۶۵ھ) انتقال کر جانے کے بعد اُن کے بڑے صاحبزادے خورشید علی خان (کمانڈر انچیف ریاست جے پور، جاگیردار ٹھکانہ جگر، جے پور و رئیس مڈراک، ضلع علی گڑھ) کی تحویل میں رہا۔ پھر اُن کے فرزند اکبر و وارث جاگیر جے پور در ریاست مڈراک، کنور عبدالوہاب خان صاحب (یو پی کے مشہور خلافتی قائد) کے قبضہ میں اور پھر اُن کے صاحب زادے کنور عبدالباقی خاں کے پاس رہا، جسے ۱۹۵۶ء میں جب مَیں آخری بار ہندوستان گیا تھا تو مَیں نے خود دیکھا تھا۔ ان کے کوئی اولاد نرینہ نہیں ہوئی۔ صرف پانچ لڑکیاں چھوڑ کر ۲۹ر مئی ۱۹۷۵ء کو انتقال کر گئے اور یوں خورشید علی خان کا اولاد ذکور کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

گذشتہ سال جب مَیں نے "تاریخ لال خانیاں" کی تدوین و تحریر کے لیے اُن کی لڑکی مہر حسن جبین سے کچھ کتابیں طلب کیں تو اس نادر قلمی نسخہ کے متعلق بھی دریافت کیا تھا جس کے جواب میں اس نے بعد تلاش بسیار مطلع کیا کہ اس قسم کا کوئی نسخہ ہی موجود ہے اور نہ کوئی ایسا خالی صندوق ہی کہیں ملا۔ سمجھ نہیں آتا کہ وہ علمی و تاریخی نادرۂ روزگار فنی شہ پارہ کہاں گیا۔ عبدالوہاب خاں کے زمانے میں ایک شخص نے اس کے لیے بڑھاتے بڑھاتے دس ہزار روپے پیش کر دیئے تھے۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ یورپ یا انگلینڈ کا کوئی نہ کوئی کتب خانہ اس کی دوگنی سے زیادہ قیمت دے دیگا۔ لیکن وہ کسی قیمت پر اس خاندانی یادگار کو الگ کرنے پر تیار نہ ہوئے۔ اگر عبدالباقی خان نے اس کو فروخت کیا ہوتا یا آخری زمانۂ علالت میں جب زندگی سے مایوسی ہو گئی تھی کسی کتب خانہ میں رکھوایا ہوتا تو یقیناً مجھے لکھتے یا دونوں میں سے کسی سے یا اپنی بیوی اور بچیوں میں میں کسی سے ذکر کرتے۔

گمان غالب یہ ہے کہ اُن کی طویل علالت کے دوران اور موت کے وقت اور بعد میں اُن کے گھر میں کسی مرد کے نہ ہونے سے جو افراتفری پھیلی اور پھر اُن کی موت کے ایک ہفتہ بعد ہی اُن کی بیوی کے دماغی کینسر کی وجہ سے بیہوش ہو کر ہسپتال پہنچا دیئے جانے اور وہاں باوجود پانچ دفعہ دماغ کا نیچر آپریشن ہونے کے دس ماہ تک بے ہوشی ہی وہ کر انتقال کر جانے کے بعد مزید ابتری پھیلی، اُس زمانے میں کسی ایک ملازم یا آنے جانے والے کو جو اُس نسخہ کی قدر و قیمت جانتا تھا، اسے غائب کرنے کی موقعہ مل گیا۔ اب نہ جانے وہ نادرۂ روزگار کہاں ہے؟ کس مُلک میں ہے؟ کس کے پاس اور کس حالت میں ہے؟ فی الحال تو وہ بھی ان علمی و تاریخی اور فنی نوادرات میں شامل ہو گیا ہے جو مسلمانوں کا گمشدہ خزانہ ہیں۔

اسی سلسلہ میں ایک اور علمی خزانے کے اتلاف کا ذکر بھی بے محل نہ ہوگا۔

واحد علیخان نے اپنی یو پی کی ریاست بڈھانی میں ایک اقامتی دینی درس گاہ، اپنے والد احمد علی خان نقشبندی، مجددی مظہری (خلیفۂ مجاز مولانا رحیم بخش اجمیری) متوفی یکم رمضان ۱۲۹۷ھ کی یادگار میں بنام "مدرسہ احمدیہ حنفیہ" قائم کی

تھی ۔ درس گاہ اور اس سے متصل اساتذہ و طلباء کی اقامت گاہ و کُتب خانہ اور مسجد کے لیے بڑی عالی شان عمارات تعمیر کرائی تھیں ۔ مقامی اور بیرونی طلباء سے کوئی فیس نہیں لی جاتی تھی بلکہ نوشت و خواند کا جملہ سامان بھی مُفت فراہم کیا جاتا تھا ۔ بیرونی طلباء کو جنہیں ان کے سرپرست کچھ نہیں بھیج سکتے تھے ، ضروریاتِ زندگی کے لیے وظیفہ بھی دیا جاتا تھا ۔ اساتذہ اور مقیم طُلباء کی خوراک و رہائش بھی بلا معاوضہ تھی ۔ ان تمام مصارف کی کفالت کے لیے کئی مواضعات وقف علی اللہ کر دیئے گئے تھے ۔ مدرسہ میں " درس نظامی " کے علاوہ فارسی ، اردو اور حساب کی بھی تعلیم ہوتی تھی ۔ اس سے ملحقہ کتب خانے میں ہر زبان اور ہر موضوع کی ہر ایک درسی کتاب کے کم از کم دس نسخے لازمی ہوتے تھے اور اُن میں سے ہر ایک کے حواشی و شرح کے مختلف علماء کے لکھے ہوئے کئی کئی نسخے مزید برآں ۔ غیر درسی کتب کی تعداد ان کے انتقال کے بعد (حسبِ تحریر مولوی معین الدین اجمیری مذکورۂ صدر) سات ہزار تھی ۔ جن میں اس وقت کی تمام مصری مطبوعات ، نیز عربی ، فارسی اور اردو کی مختلف موضوعات پر تصانیف و تالیفات کے ہندوستانی مطبوعہ و قلمی نسخے شامل تھے ۔ مدجو بیس تصانیف و تالیفات انہوں نے حق المحنت ادا کر کے مختلف علماء سے لکھوائیں اور اپنے خرچ پر طبع کرائیں اُن میں سے ہر ایک کے متعدد نسخے بھی موجود تھے ۔ " مرأۃ الانساب " کے مطبوعہ نسخے تو کئی درجن تھے جن میں سے وقتاً فوقتاً آنے والے صاحبِ ذوق احباب و اعزا کو تحفتہً دیئے جاتے تھے ۔ ہندوستان کے طول و عرض میں شاید ہی کوئی ایسا علمی و ادبی پرائیویٹ کتب خانہ یا پبلک لائبریری ایسی ہو گی جہاں اس کے نسخے نہ بھیجے گئے ہوں ۔

واجد علی خان کے انتقال کے بعد ریاست پڈھانی کے وارث اور مواضعات موقوفہ کے متوّلی ان کے چھوٹے صاحب زادے کنور منظور علیخان ہوئے ۔ جن کی زیر نگرانی اگرچہ مدرسہ اور کتب خانہ میں کوئی توسیع و ترقی نہیں ہوئی لیکن بہر حال قائم رہا ۔ ان کے بعد جب اُن کے بڑے صاحب زادے کنور طفیل احمد خان صاحب جائداد کے وارث ، وقف کے متولی اور مدرسہ و کتب خانہ کے مہتمم و نگران ہوئے تو اگرچہ کتب خانہ تو برسوں تک بدستور رہا لیکن مدرسہ بتدریج تنزّلی کرتے کرتے مقامی بچوں کا مکتب رہ گیا ۔ جب وہ تقسیم ہند کے کئی سال بعد مستقلاً پاکستان آنے کو ہوئے تو مولانا عبد الشاہد خان شروانی (سابق اسسٹنٹ لائبریرین و انچارج شعبۂ مخطوطات ، مولانا آزاد لائبریری ، مسلم یونیورسٹی ، علی گڑھ) کے خط موصولہ ۲ جولائی ۱۹۸۰ء کی تحریر کے مطابق " بہت سی کتابیں کنور طفیل احمد خاں مرحوم نے مختلف لوگوں کو فروخت کیں ۔ اُن کے بعد ان کے ملازم عبد الحمید نے جو اسی مکان میں اُن کے ساتھ رہتا تھا ، بعد میں بیچیں ۔ "

اس طرح وہ نادر ذخیرہ کتب جو احمد علی خاں اور پھر اُن کے صاحب زادے واجد علی خاں نے تقریباً ایک صدی میں نہ جانے کہاں کہاں سے کون کون سے قلمی و مطبوعہ علمی و تاریخی جواہر پارے فراہم کر کے جمع کیا تھا وہ اخلاف کی ناقدری

سے غارت ہوا۔

مولوی معین الدین اجمیری نے "حیٰوۃ طیبہ" میں اس کتب خانہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس میں کیفیت و کمیت دونوں اعتبار سے کتابوں کا ذخیرہ ایسا ہے کہ ایک مستعد شخص ان کو دیکھ کر متبحر عالم بن سکتا ہے اور معمولی عالم مصنفین کی صف میں آسکتا ہے۔ نہایت جامع کتب خانہ ہے۔ کتابوں کی تعداد سات ہزار (۷۰۰۰) ہے۔ ہر فن کی فہرست جداگانہ ہے۔ اس طرح چالیس فہرستیں ہیں، جن کا معائنہ فقیر نے کیا ہے۔ اس سے کتب خانہ کی جامعیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ بڑے بڑے شہر ایسے عظیم الشان کتب خانے سے خالی ہیں"۔

یہ متاع مجموعۂ نوادرات علم جس کے جواہرات کوڑیوں کے مول قدر ناشناساؤں نے بیچ دیئے۔ ناقدری اور ناخلفی کی حد تو یہ ہے کہ آج واجد علی خان کے تین سگے پوتوں (مقیم لاہور و شیخوپورہ) اور پڑپوتوں (مقیم حیدرآباد و کراچی) کے پاس خود واجد علی خان کی موسومہ بالا سوانح حیات (حیٰوۃ طیبہ) تک نہیں ہے، چہ جائیکہ اس ذخیرہ کا کوئی اور علمی و فنی شہ پارہ۔ میں نے بھی بصد دشواری مولوی معین الدین اجمیری کی یہ تالیف جے پور سے منگوائی ہے ورنہ تو خود مؤلف کے صاحبزادے باقی میاں کے پاس بھی نہیں ہے۔

آج جو نئی نسل پر اپنے اسلاف اور اُن کے کارناموں سے غفلت کا الزام لگایا جا رہا ہے وہ نیا نہیں ہے، پچاس ساٹھ برس پہلے پیدا ہونے والی نسل بھی اسی ناقدر شناسی اور اسلاف فراموشی میں مبتلا ہے۔ ایک اور مثال اس کی سامنے آئی کہ نواب احمد سعید خان صاحب آف چھتاری کے دادا نواب محمود علی خاں کی ایک سوانحعمری ۱۵ھ میں چھپی تھی جو مجھے اپنی زیر فکر "تاریخ لال خانیاں" کے سلسلہ میں درکار تھی۔ میں نے ہندوستان میں احمد سعید خان صاحب سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ انہیں تو اپنے سگے دادا کے اس تذکرے کے معرض وجود میں آنے تک کا علم نہیں۔ نہ جانے یہ نسلی خلیج (جنریشن گیپ) جس کے لیے آج کی پود مطعون ہے کب سے چل رہی ہے۔

معزز قارئین سے التماس

۱۔ براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیں ورنہ ادارہ تعمیل حکم سے قاصر ہوگا۔

۲۔ مدت خریداری ختم ہونے کی اطلاع دفتر سے ایک ماہ قبل دی جاتی ہے بعض حضرات نہ تو جواب دیتے ہیں اور نہ وی پی وصول کرتے ہیں۔ اس سے ایک دینی ادارہ کو نقصان پہنچتا ہے۔

۳۔ جن خریدار حضرات یا ایجنٹوں کے ذمہ رقومات باقی ہیں جلد از جلد حساب بے باک کر کے ایک خالص دینی ادارہ کو خسارہ سے بچانے میں مدد دیں۔

۴۔ الحق کی توسیع و اشاعت ایک اہم دینی خدمت ہے قارئین اس طرف توجہ فرمادیں۔

۵۔ الحق میں اشتہارات دے کر اجر دارین حاصل کریں۔

(خالد محمود صدیقی منیجر)